راشد کی نظم-"دریچے کے قریب" میں مزاحمتی عناصر

"Rebellious Elements in Rashid's Poem "Near the Window

اورنگ زیب
پی ایچ،ڈی سکالر اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور
پروفیسر ڈاکٹر محمد عباس
صدر شعبہ اردو اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور۔

Abstract

N. M. Rashid, an iconic poet of the twentieth century, is considered as one of the pioneers of free verse and a rebel and revolutionary in the world of Urdu literature. His poetry is defiant and radical both in terms of form and subject matter. This research article explores the rebellious and revolutionary elements in N. M. Rashid's poem ,"Darechy k Qreeb"the said poem has been written in free verse which breaks the shackles of hard and fast rules of meter and rhyme. Furthermore, as far as its subject matter is concerned, the poem deals quite rebelliously with topics like the age of slavery in India, the traditional Mullah who is a symbol of exploitation and oppression, the masses whose lives are fraught with purposelessness, and the incapacity of man to .change the circumstances around him.

Key words: Drechy k Qreeb,Muzahimat,Baghawat,Ihtejaj,Inqilab

کلیدی الفاظ: دریچے کے قریب، مزاحمت، بغاوت، احتجاج، انقلاب

حرف و معنی کی ہم آہنگی اور اس کی ترسیل روزِ ازل سے شاعری کا وظیفہ رہا ہے۔ شاعر سماج میں رہتے ہوئے کبھی ماضی کبھی حال اور کبھی مستقبل سے قرطاسِ ابیض سیاہ کرتا ہے۔ رنگین اور نادر تصاویر بنا کر زندگی کو نئے معانی اور مفاہیم عطا کرتا ہے۔ اردو ادب کی اس زندہ شعری روایت میں ن۔م راشد(1910-

1975) کا نام بھی قابل قدر ہے۔ ان کا شمار آزاد نظم کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ نظم میں اُن سے پہلے کئی شعرا ہیئت کے تجربات کر چکے تھے، لیکن راشد نے اردو نظم کو ہیئتی اور موضوعاتی اعتبار سے نئی جہتوں سے روشناس کر کے جدید اردو نظم کو رواج دیا۔ راشد کا شعری مجموعہ ماورا (1941) اردو میں آزاد نظم کا پہلا مجموعہ ہے۔ راشد کا شعری لحن اردو شاعری کی کلاسیکی روایت سے مختلف تھا۔ اس وجہ سے ابتدا میں ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل نہ کر سکا۔ اردو نظم کے اس عہد میں الگ شناخت اور مقام بنانا کافی مشکل تھا، لیکن راشد بہت جلد اپنی فکری و فنی ریاضت کے بدولت صف اول کے شعرا میں ممتاز مقام کے حامل ہوئے۔

راشد کی انفراد کے بیشتر زاویوں میں مزاحمت اور بغاوت اہم ترین حوالے ہیں۔ اپنی باغیانہ روش کے پیش نظر انھوں نے نہ صرف موضوعاتی انحراف کو اپنا وتیرہ بنایا بلکہ اسلوبیاتی اور ہیئتی حوالوں سے بھی قدیم طرز سے بغاوت کی۔ راشد کی شاعری میں مختلف مزاحمتی پہلوؤں پر بحث کرنے سے قبل ضروری ہے کہ مزاحمت اور اس کی اقسام پر مختصراً روشنی ڈالی جائے۔

"زحمہ" وہ عربی لفظ ہے جس سے مزاحمت ماخوذ ہے۔ مزاحمت بہ طور اصطلاح اس ذہنی فکری اور تصوراتی رویے کا فنکارانہ اظہار ہے جس میں عموماً تخلیق کار اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ یہ مزاحمت جب ادبی افکار رو اصناف میں جلوہ گر ہوتی ہے تو کہیں کہیں احتجاج و انقلاب کے سرحدوں کے قریب بھی پہنچ جاتی ہے۔ زندگی اور اس کے متعلقات مادہ اور اس متعلقات مابعد الطبعی دنیا اور اسے کے متعلقات اپنے ساتھ بے انتہاں پابندیاں اور جبر انسان پر لاگو کرتے ہیں ان تمام زاویوں سے مزاحمت کی انواع واقسام کی تفہیم کی جاسکتی ہے، مثلاً مذہب سے پیدا ہونے والی انتہا پسندی کے خلاف مزاحمت یا مذہبی لبادہ اوڑھے منافقین کے خلاف مزاحمت، معاشی استحصال سے وابستہ افراد و اداروں کے خلاف مزاحمت، ریاست وسیاست سے متعلقہ بدعنوانیاں، جھوٹ، فریب، دغابازی کے خلاف مزاحمت، پدرسری نظام کے نتیجے میں ارتقاء یافتہ جبر کی مزاحمت، ادبی جمود ادبی منافقت کی مزاحمت، قلم قبیلے سے تعلق رکھنے والے منافقین کی مزاحمت،

تاریخی جبر کے خلاف مزاحمت، جبریہ تقدیر کے خلاف مزاحمت، غاصب قوتوں کے خلاف مزاحمت، تہذیبی و ثقافتی جبر کے خلاف مزاحمت ان نمایاں اقسام میں سے ہیں جن پر اہل علم و فن نے دل کھول کر لکھا ہے۔ اردو شاعری میں ن م راشد کی اہمیت کی بڑی وجہ ان کا مزاحمتی آہنگ ہے۔ موضوعاتی اور ہیئتی دونوں سطحوں پر راشد مزاحمتی طرز عمل کے علم بردار ہیں ہیتی اعتبار سے مزاحمت کو موضوع بناتے ہوئے آغاز ظفر حسنین لکھتے ہیں:

"ن۔م راشد نئی اردو نظم کے اولین معماروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے اردو میں رائج پابند شاعری سے انحراف کرتے ہوئے آزاد نظم کو متعارف کرایا ۔1941 میں راشد کی نظموں کا پہلا مجموعہ "ماورا" شائع ہوا تو اس میں کئے جانے والے ہیئتی تجربے کی بنا پر اس کی بڑی مخالفت ہوئی۔ یوں اردو میں آزاد نظم کی ایک آدھ مثال سے قطع نظر تصدق حسین خالد نے بھی اس قسم کی نظموں کو رائج کر دینے کی کو شش کی تھی مگر فنی طور پر بلند نہ ہونے کے سبب ان کی آزاد نظمیں زیادہ مقبول نہ ہو سکیں۔ راشد نے اس سمت میں کامیاب تجربہ کر کے ہیت کے اعتبار سے اسے ادبی مزاحمت کا عملی نمونہ پیش کیا۔"(1)

یوں نظم کے موجودہ سانچوں سے انحراف کرتے ہوئے انہوں نے آزاد نظم کو رواج دیا اور اردو آزاد نظموں کے اولین معماروں میں شمار ہو گئے۔ اسی طرح موضوعاتی اعتبار سے بھی ان کے ہاں مزاحمت کا احساس ان کی تقریبا پوری شاعری سے ہوتا ہے۔ راشد کی شاعری میں موضوعاتی مزاحمت پر گفتگو کرتے ہوئے آغا ظفر حسنین لکھتے ہیں:

"راشد کا مزاحمتی تیور ان کے پہلے شعری مجموعے ماورا، سے ہی ہویدا ہو چلا تھا، اور "انسان" "شاعر درماندہ" "سپاہی" "دریچے کے قریب" "شرابی" جیسی نظمیں اس کا بیّن

ثبوت ہیں۔ان نظموں کا خالق بنی آدم کی ذلت پر اگر ایک طرف اللہ سے شاکی تو خود اپنی قوم کو بھی عافیت کوشی آبا کا مرتکب پاتا ہے۔"ماورا" کے شاعر کو افرنگ کی دریوزی گری کے سبب تین سو سال سے مادر وطن کی ذلت کا بھی شدید احساس ہے۔"(2)

راشد کی نظم "دریچے کے قریب" اسی شدید احساس کو اجاگر کرتی ہے۔ نظم "دریچے کے قریب" ان کے پہلے شعری مجموعے "ماورا" کی اکتسویں نظم ہے ظاہری بات ہے کہ برصغیر کی غلامی کے زمانے میں لکھی گئی ہے۔اس نظم پر استعمار کی گہری چھاپ پڑی ہوئی ہے۔اس نظم کو اپنی آسانی اور موضوعاتی تفہیم کی خاطر چھے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ابتدائی آٹھ مصرعے اس نظم کے لئے پس منظر اور بنیاد فراہم کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان آٹھ مصرعوں کو نظم کا ابتدئیہ اور پہلا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔اس نظم کا پہلا لفظ "جاگ" اس انداز سے تحریر میں لایا گیا ہے کہ لفظ بذات خود مزاحمت کا علم بردار بن جاتا ہے۔ نظم کا آغاز ہی مزاحمتی انداز سے ہوا ہے۔لفظ "جاگ" اس مخصوص غلامانہ دور کے پس منظر میں گہری مزاحمتی فکر کا حامل ہے۔وہ شمع شبستان وصال کو بڑی بے دردی سے فرش طربناک سے اٹھ کر جاگنے اور فکر فردا کے دریچے کے قریب آنے کی دعوت دیتے ہیں نظم کا بند ملاحظہ ہو:

جاگ اِے شمع شبستانِ وصال
محفلِ خواب کے اس فرشِ طربناک سے جاگ!
لذّتِ شب سے ترا جسم ابھی چور سہی
آمری جان، مرے پاس دریچے کے قریب
دیکھ کس پیار سے انوارِ سحر چومتے ہیں
مسجد شہر کے میناروں کو

جن کی رفعت سے مجھے

اپنی برسوں کی تمنا کا خیال آتا ہے!(3)

نظم دریچے کے قریب کے اسی ابتدیئے پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر فتح محمد ملک اپنی کتاب "سیاست اور شاعری" میں رقم طراز ہیں:

"راشد اپنی محبوبہ سے جذباتی یک دلی ہی نہیں نظریاتی یگانگت کے تمنائی بھی ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ اس جذباتی و نظریاتی رفاقت کی بدولت "دوانامل کے جہاں سوز بنیں" اور مسلمانو کی عظمت رفتہ کی بازیافت کی جدوجہد میں ایک ساتھ سرگرم عمل ہو جائیں"۔(4)

نظم کا اگلا حصہ گیارہ مصرعوں پر مشتمل ہے۔یہ بند اسی مزاحمتی رویے کا غماز ہے جس میں مزاحمت استعمار کے بجائے اپنے اور اپنی قوم کی خامیوں کو نشانہ بناتی ہے۔مشرق اور ہندوستان میں عام طور پر مذہبی پیشواؤں کا طبقہ استحصال اور جبر کی بڑی علامتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔یہاں راشد روایتی ملاّ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتے ہیں۔اپنے ایک خط میں قریبی دوست آغا عبدالحمید کو اپنی اس نظم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ایک نظم لکھی ہے دریچے کے قریب، بھیج رہا ہوں، اپنی رائے سے فی الفور مطلع کرو ۔میرے نزدیک ہمارا "ملاّ" ہماری انڈرورلڈ کی شخصیت بن چکا ہے، اس نظم میں اس کا ذکر انہی معنوں میں ہے"

سیمگوں ہاتھوں سے اے جان ذرا"۔(5)

کھول مے رَنگ جنوں خیز آنکھیں!

اسی مینار کو دیکھ

صبح نور سے شاداب سہی

اسی مینار کے سائے تلے کچھ یاد بھی ہے

اپنے بیکار خدا کی مانند
اونگھتا ہے کسی تاریک نہاں خانے میں
ایک افلاس کا مارا ہوا ملاّ حزیں
ایک عفریت۔۔۔۔اداس
تین سو سال کی ذلت کا نشاں
ایسی ذلت کہ نہیں جس کا مداوا کوئی(6)

یہاں پر شاعر نہ صرف ملاّ بلکہ ان عوامل کی بھی نشاندہی کرتا ہے جس نے ملا کی فکر پر پردے ڈالے ہیں، یہ ملاّ افلاس کا مارا ہوا ہے۔ یہاں شکم کے افلاس کے ساتھ فکر اور روح کا افلاس بھی ہے۔اس کے علاوہ مسلسل غلامی نے بھی اس ملاّ کی فکر کو ضعیف بنادیاہے، غلامی اور بھوک وہ بنیادی عوامل ہیں جن سے پیدا شدہ ذہنیت نہ صرف اپنی تباہی بلکہ پوری قوم کی تباہی کا موجب ہے۔اس تباہ کاری کے خلاف راشد کی مزاحمت ایک بھرپور اور توانا آوز بن کر سامنے آتی ہے۔اردو شاعری کی روایت میں شاعر اور شیخ وزاہد کے درمیان اختلاف کوئی نئ بات نہیں۔راشد کا اختلاف اس روایتی اور نام نہاد ملاّ کے ساتھ فکری سطح پر ہے۔انہیں قوم کے ماضی کی بہ نسبت آئیندہ ہزار برس میں پیش آنے والے حادثات وواقعات کی فکر ہے جس سے روایتی ملاّ کو سروکار ہے اور نہ ہی خبر اور یہی جاہلیت اور منافقت راشد اور مذہبی پیشواؤں کے درمیان فاصلے کی اصل وجہ ہے۔

نظم کا تیسرا حصہ گیارہ مصرعوں پر مشتمل ہے۔اس حصے میں شاعر اپنے اردگرد رہنے والوں شہر کے باسیوں سے برگشتگی اور ناراضی کا اظہار مزاحمتی پیرائے میں کرتے ہیں۔شاعر اس بات پرپر شکوہ سنج ہے کہ اس شہر کے بازار میں پھیلا ہوا یہ ہجوم کسی بھی منزل کا راہی نہیں ہے، بے سمتی، بے مقصدی، اور بے نوائی ان لوگوں کا مقدر تو نہیں لیکن ان لوگوں نے یہ سب کچھ ااپنے اوپر حاوی کیا ہوا ہے۔شاعر کو یہ بھی احسا

س ہے ہر شخص کے دل میں بیداری اور روشنی کی چھوٹی سی شمع روشن ہے لیکن یہ شمع کسی کام کا نہیں ہے کیوں اس میں زبوں حالی سے نکلنے کی جرات نہیں ہے۔اس نظم پر بحث کرتے ہوئے فتح محمد ملک یوں اظہار رائے کرتے ہیں:

"یہاں شاعر کی تلخ نوائی کا سبب یہ ہے کہ چپ چاپ ظلم سہتے چلے جانے والے اس ہجو م میں خودی کی قندیل کو شعلہ جوالہ بنا کر خاشاک غیر اللہ کو بھسم کر دینے والے حر یت پسند مفقود ہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ نظم کا واحد متکلم خود بھی اس ہجوم بے چار گا ں کے افراد کی مانند ہر شب عیش میں گزر جانے کے بعد "بہرِ جمع خس وخاشاک" نکل جاتا ہے"۔(7)

راشد کو اپنے شہر کے باشندوں کے اس بے عملی اور بے نوائی نے شدید کرب میں مبتلا کر رکھا تھا،اپنے اس شیدید کرب کو وہ یوں الفاظ کا روپ دیتے ہیں:

ان میں ہر شخص کے سینے کے کسی گوشے میں
ایک دلہن سی بنی بیٹھی ہے
ٹمٹاتی ہوئی ننھی سی قندیل
لیکن اتنی بھی توانائی نہیں
بڑھ کے ان میں سے کوئی شعلہ جوالہ بنے!
ان میں مفلس بھی ہیں بیمار بھی ہیں
زیرِ افلاک مگر ظلم سہے جاتے ہیں!(8)

نظم کا آخری بند نو مصرعوں پر مشتمل ہے۔ نظم کے اس حصّے میں راشد کے فرد کی بے سمتی، بے یقینی اور بے معنویت کی صورت حال اس کے اندر مایوسی کی لہر پیدا کرتی ہے،اگرچہ اس اندر خودی کی ایک چھوٹی سی قندیل موجود ہے لیکن اس کا خیال ہے کہ خارجی حقائق اور حالت کو بدل دینا اس کے بس کی بات نہیں اور یو

ں وہ یاسیت کا شکار ہو کر بے عملی کی سمت چل پڑتا ہے، ان کے پہلے شعری مجموعے "ماورا" کی زیادہ تر نظموں میں مایوسی، یاسیت اور بے معنویت کا احساس بار بار پیدا ہو جاتا ہے۔ شدید بحرانی حالت اور حالت کو تبدیل نہ کر سکنے کا کے باعث مایوسی اور بے بسی کا ایک منظر تو بن جاتا ہے مگر یہ منظر زیادہ دیر تک نہیں رہتا، راشد کا تخلیقی ذہن بہت جلد اس کو کسی رجائی منظر میں تبدیل کر تا ہے اور وہ اپنے خوابوں تک رسائی حاصل کرنے کی سعی کو اگلی صبح پھر شروع کر دیتے ہیں:

میں بھی اس شہر کے لوگوں کی طرح
ہر شب عیش گزر جانے پر
بہرِ جمع خس و خاشاک نکل جاتا ہوں
چرخ گرداں ہے جہاں(9)

نظم "دریچے کے قریب" کا شہر سیاسی، سماجی، معاشی اور تہذیبی زوال آمادہ شہر ہے اور استعماری گرفت کی وجہ سے بے یقینی، بے سمتی اور حال اور مستقبل کی کسی روشنی کے بغیر زندہ ہے، یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظم کے آخری دو حصوں میں شاعر شہر کی بے کراں وسعتوں میں پھیلے اس اژدھام سے نالاں ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کر دی ہے۔ راشد کی مزاحمت شہر کے نابینا افراد کو بصارت عطا کرنے کی ایک ناکام سعی ہے۔

درج بالا تمام بحث کی روشنی میں یہ نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں کہ راشد کی شاعری مزاحمت سے بھرپور ہے انھوں نے استعمار کے خلاف مزاحمت کے علاوہ مقامی افراد اور اداروں کی بھی مزاحمت کی، جبر چاہے جس انداز اور صورت میں ان کو کار فرما نظر آیا انھوں نے اسے قابل نفرت اور قابل مزاحمت سمجھا۔ راشد نے اپنی فکر کی بھٹی میں ان مزاحمتی افکار کو کندن بنا کر خوبصورت انداز میں اہل علم کے سامنے پیش کیا۔

حوالہ جات

1۔ ڈاکٹر آغا ظفر حسنین، مزاحمت اور پاکستانی اردو شاعری، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس دہلی، 2007، ص:126

2۔ ایضاً۔

3۔ کلیاتِ ن۔م۔راشد، ماورا پبلشر بہاولپور روڈ۔ لاہور بار دوئم 1991 ص:96۔

4۔ فتح محمد ملک، ن۔م۔راشد سیاست اور شاعری، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد ص:22۔

5۔ نسیم عباس احمر(مرتب)پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی لاہور،2008طبع اوّل ص:135۔

6۔ کلیاتِ ن۔م۔راشد،ماورا پبلشر بہاولپور روڈ۔لاہور بار دوئم 1991ص:97۔

7۔ فتح محمد ملک،ن۔م۔راشد سیاست اور شاعری،دوست پبلی کیشنز اسلام آباد،ص:24۔

8۔ کلیاتِ ن۔م۔راشد،ماورا پبلشر بہاولپور روڈ۔لاہور بار دوئم 1991ص:98۔

9۔ کلیاتِ ن۔م۔راشد،ماورا پبلشر بہاولپور روڈ۔لاہور بار دوئم 1991ص:98۔